یہ محلوں گلیوں کے سود خور

مجھے یقین ہے کہ کسی روز اخبار میں یہ خبر شائع ہو جائے کہ کوئی شخص لوگوں کو اگرچہ دھوکے ہی سے سہی خنزیر کھلا رہا ہے تو پوری حکومتی مشینری حرکت میں آجائے گی اور اسے آنا بھی چاہئے کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے ملک میں وہ کام کسی صورت میں قابل برداشت نہیں جسے کتاب اللہ میں حرام قرار دیا گیا ہو۔ حاکم وقت پر فرض ہوگا کہ اس مکروہ فعل کو روکے۔ اعانت جرم بھی جرم ہے' جو لوگ اس فعل میں مددگار ہیں یا جانتے بوجھتے ہوئے بھی خاموش ہیں تو وہ قابل تعزیر بھی ہیں اور ایمان کے اس درجے میں بھی جس سے نیچے کوئی اور درجہ نہیں۔

افسوسناک امر ہے کہ پاکستان میں ایک نہیں درجنوں ایسے کام جاری وساری ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا۔ ان کاموں میں سے ایک فعل بد جس سے ہمارے معاشرے کے غریب عوام کی زندگی اس نہج پر آچکی ہے کہ وہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے ہیں' گلیوں محلوں میں بھاری شرح پر دیا جانے والا وہ غیر قانونی سودی کاروبار بھی ہے جس سے لاکھوں زندگیاں جہنم بن چکی ہیں۔ میں فی الحال بینکوں کے سود کی بات نہیں کر رہی ہوں جس پر بحث مباحثہ جاری ہے بلکہ میں پرائیویٹ طور پر بھاری شرح پر قرضے دینے والے سود خوروں کی بات کر رہی ہوں جسے پرائیویٹ منی لینڈنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سود کے تحت 25 سے سو فیصد شرح پر رقم دی جاتی ہے اور ہر ماہ ایک معقول منافع بھی وصول کیا جاتا ہے اور اصل رقم جوں کی توں موجود رہتی ہے۔

اس طرز پر سود کا لین دین ایسا ہے کہ اس کی مانیٹرنگ مشکل ہے۔ سود دینے والے کا اپنا قانون ہوتا ہے اور ملک عزیز میں دیکھا جائے تو یہ قانون جنگل کے قانون سے بھی بڑھ کر نظر آتا ہے کہ یہاں پر سود نقد رقم کے علاوہ سونے' چاندی' جانور اور مختلف اجناس پر بھی رائج ہو چکا ہے حالانکہ جس چیز میں جنس شامل ہو جائے وہ سود نہیں رہن یعنی گروی ہے اور اگر کوئی چیز گروی رکھوائی جائے تو اس پر منافع نہیں لیا جاسکتا اور اگر لیا جائے تو یہ قانون اور شریعت دونوں کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

کچھ عرصہ قبل لاہور شہر کے مختلف علاقوں میں یہ بینر دیکھنے میں آئے جن پر تحریر تھا کہ "زیورات پر قرضہ حاصل کریں" اس کے علاوہ کوئی اور تحریر نہ تھی۔ صرف ایک موبائل فون نمبر تھا اور پتہ بھی درج نہ تھا۔ ملتان سے مجھے ایک خط موصول ہوا جس میں انکشاف تھا کہ وہاں پراپرٹی کے عوض 10 فیصد ماہوار منافع پر رقم دی جاتی ہے جو صرف 10 ماہ میں سود کی صورت میں پوری کی پوری واپس مل جاتی ہے اور اصل رقم موجود رہتی ہے جو نہ ملنے کی صورت میں پراپرٹی پر بھی قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ پاکستان میں قانون اتنا لاغر نظر آتا ہے کہ کسی گلی محلے سے قانون شکنی کی راہ پر چلنے والے معمولی غنڈے کے سامنے بھی بے بس ہے۔ بہر کیف صرف 10 ماہ میں پوری رقم وصول لیکن سود ادا کرنے کے باوجود مالک مکان اپنے ہی مکان میں کرایہ دار بن جاتا ہے اور سود کے ساتھ ساتھ

اصول و ضوابط بنائے گئے تو سود پر کاروبار کو بھی قانونی شکل دینے کیلئے ایک ایکٹ تیار ہوا جس کے تحت سود پر کام کرنے کیلئے ضلع کے ڈپٹی کمشنر سے اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا اور یہی قانون پاکستان میں بھی رائج رہا لیکن پاکستان میں لاکھوں افراد کسی اجازت کے بغیر من مرضی سے شرح سود مقرر کر کے ضرورت مند غریبوں کی زندگیاں وبال بنا چکے ہیں اور کوئی ملزموں کو پوچھنے والا نہیں ہے۔

اس وقت سود کے چنگل میں دو طرح کے افراد پھنسے ہوئے ہیں' ایک تو وہ لوگ جو اپنی ضروریات زندگی اور شادی بیاہ یا کاروبار کیلئے سود خوروں سے سود پر رقم لے لیتے ہیں اور پھر ان کی ساری عمر سود جس کو منافع بھی کہا جاتا ہے ادا کرتے گزر جاتی ہے اور اصل زر اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اس طرح کے لوگوں میں زیادہ تر غریب طبقہ شامل ہے۔ دوسری طرح کے وہ لوگ جو متمول طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور زائد منافع کے چکر میں لاکھوں روپے بڑے سود خوروں کو دیتے ہیں اور پھر ایک دو ماہ کی قسطیں (منافع) حاصل کرنے کے بعد اپنی اصل رقم سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد ابتدائی عشروں میں یہ کام چھپ چھپا کر ہوتا تھا اور لوگ سود پر رقم لینے اور دینے کو برا سمجھتے تھے اور خصوصاً سود پر رقم دینے والے سود خور معاشرے میں اپنا مقام کھو دیتے تھے۔ سود کے کام میں تیزی 1980ء کے عشرے میں افغانیوں کی آمد کے بعد آئی اور ان لوگوں نے ملک کے ہر شہر میں اپنے نیٹ ورک قائم کر لئے۔ افغانیوں کی آمد کے بعد سود کے کاروبار نے جدید شکل اختیار کر لی اور اب ان لوگوں نے نقد رقم دینے کے ساتھ ساتھ بنیادی ضرورت کی اشیاء بھی قسطوں پر دینی شروع کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں ایسے سینکڑوں کاروباری مراکز قائم ہو گئے اور سود کے کاروبار نے ایک نئی طرز کا لبادہ اوڑھ لیا۔ ایک شہر کے تمام سود خور ایک دوسرے سے رابطہ میں رہتے ہیں اور اسی طرح ایک شہر کے سود خور دوسرے شہر کے سود خوروں سے بھی رابطہ میں رہتے ہیں اور کوئی بھی شخص ان سے سود پر رقم لے کر غائب نہیں ہو سکتا۔ غائب ہونے والے شخص کے تمام کوائف ملک بھر کے سود خوروں کے پاس پہنچا دیئے جاتے ہیں اور اس طرح کوئی بھی ان سے نہیں بچ سکتا۔

حمیرا اویس شاہد

لاہور میں بے شمار ایسے کیس آن دی ریکارڈ ہیں کہ افغانی سود خور نے موٹر سائیکل قسطوں پر دی اور چند ماہ کی قسطیں وصول کرنے کے بعد پولیس کی سازباز سے موٹر سائیکل چوری کا مقدمہ درج کروا کر فریق ثانی کو گرفتار کروا دیا اور موٹر سائیکل بھی دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لی۔

سود "حرام کا کاروبار" ہونے کے باوجود پورے معاشرے کو آکٹوپس کی مانند جکڑے ہوئے نظر آتا ہے اور مردوں کے ساتھ گھریلو خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد اس مکروہ دھندے میں پھنسی ہوئی ہے۔ بعض مجبور خواتین سود پر رقم لے کر اپنی عزتیں بھی دے چکی ہیں مگر اصل زر ادا ہونے کو نہیں آتا۔ یہ کاروبار کھلے عام ہو رہا ہے۔ غیر قانونی کاموں پر قدغن لگانے والے اداروں کے افراد اس کاروبار میں ملوث

اندیشوں کا زہر امیدوں کا تریاق

آج کالم لکھتے ہوئے بہت دکھ ہو رہا ہے کہ میرے خوش نویس دوست چودھری محمد صادق سکنہ نواں پنڈ تھانہ قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ کو میرے 24 جولائی کے کالم کی ان آخری سطروں نے بہت تڑپایا ہے کہ "قیام پاکستان کے وقت شہروں کے کوچوں اور دیہات کی گلیوں میں سوتے تھے اور آج اپنے گھروں کے دروازوں کو اندر سے تالے لگا کر جاگتے رہتے ہیں"

چودھری محمد صادق قیام پاکستان کے پندرہ بیس سال بعد تک اپنے گاؤں کے چوراہے میں کھلی اور تازہ ہوا میں بے فکری کی آرام دہ راتیں گزارنے کا تجربہ بھی رکھتے ہیں اور قیام پاکستان کے چھپن سال بعد انہوں نے انکی رفیقہ حیات، عزیزوں اور پورے گاؤں کے لوگوں نے 20 جولائی 2003ء کی رات اپنے گھروں کے تمام دروازوں کو اندر سے تالے لگا کر جاگ کر گزاری ہے کیونکہ اپنے آزاد، خودمختار اور جمہوری وطن کے سماجی حالات نے انکی ہڈیوں کے گودے کے اندر تک خوف اور اندیشوں کے زہر اتار دیئے ہیں۔

چودھری محمد صادق بتاتے ہیں کہ ان کے بھتیجے احسان اللہ کا دس سالہ بیٹا عدنان 19 جولائی کو لاپتہ ہو گیا۔ سارا دن اور ساری رات اسکے والدین اور گاؤں والے تلاش کرتے رہے مگر کچھ سراغ نہ ملا۔ اگلے روز اتوار 20 جولائی کی صبح عدنان کے ہم جماعتوں نے اسکی ننگی نعش جوار کے کھیت میں پڑی پائی۔ کسی اخلاق باختہ نے زیادتی کے بعد اسکے آزار بند سے اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا اور پورے علاقے کے دلوں میں عدم تحفظ کے اندیشوں کا اندھیرا بکھیر دیا تھا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ معمولات کا حصہ ہے کہ ضلعی پولیس حکام سمیت پولیس پارٹی نے متاثرہ گاؤں کا دورہ کیا ہوگا۔ موقع ملاحظہ ہوا ہوگا۔ والدین سے اظہار ہمدردی کیا گیا ہوگا۔ تھانہ قلعہ دیدار سنگھ کو مجرم کی جلد از جلد گرفتاری کی ہدایت کی گئی ہوگی۔ والدین اور گاؤں کے لوگوں کو یقین دلایا گیا ہوگا کہ مجرم کو عبرت کی مثال بنا دیا جائے گا۔ چودھری محمد صادق جو اس کارروائی اور کارگزاری کے ساتھ ساتھ ہوں گے بتاتے ہیں کہ 20 جولائی کی رات کو اپنے گھروں کے تمام دروازوں کو اندر سے تالے لگانے کے بعد پتہ چلا کہ انسان کا انسان پر اعتبار، ایک ہی بستی، ایک ہی ملک اور ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کا ایک دوسرے پر اعتماد اور تحفظ کا احساس مقفل دروازوں سے باہر رہ گیا ہے اور یہ خطرہ بھی محسوس ہوا کہ جو معاشرہ، جو سماج اور جو بستی ہمارے دلوں کے اندر مر گئی ہے وہ باہر کیسے زندہ رہ سکے گی؟

چودھری صادق لکھتے ہیں "منو بھائی! آپ اپنے ایک کالم میں میرے گاؤں میں بچوں کے سکول کی ضرورت پر روشنی ڈال چکے ہیں جو کسی بھی دل پر روشن نہیں ہو سکی۔ آپ بتا چکے ہیں کہ "نواں پنڈ" قیام پاکستان سے پہلے سکھوں کا گاؤں تھا اور قلعہ سردار جھنڈا سنگھ کہلاتا تھا۔ گاؤں کی آبادی اس وقت پچاس سے زیادہ گھرانوں پر مشتمل ہے ہر گھرانے میں دو سے تین خاندان رہائش پذیر ہیں خاندان کے ہر شادی شدہ جوڑے کے چار تا چھ بچے ہیں۔ جن حالات اور ماحول میں یہ بچے پرورش پا رہے ہیں وہ ایک بھیانک اور تاریک مستقبل کے اندیشے لئے ہوئے ہے۔ گاؤں کے بچوں کو پڑھنے کے لئے ڈیڑھ کلومیٹر دور قلعہ دیدار سنگھ کے سکول میں جانا پڑتا ہے اور باقی بچے سارا دن گوبر کے ڈھیروں پر کھیلتے رہتے ہیں۔

گریبان

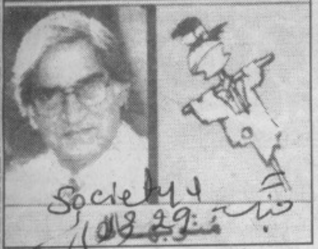

اب تو سکولوں میں چھٹیاں ہیں جب سکول کھلے گا تو یہ بچے ہر روز عدنان سے ملیں گے کیونکہ وہ جگہ جہاں سے یہ نعش ملی ہے اس سکول کے راستے میں ہے۔ ان کے ننھے معصوم ذہنوں سے اس حادثے کو نکالنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوگا۔ منو بھائی! میرے گاؤں کے تمام لوگ، بچوں کی مائیں، باپ اور بہن بھائی اور بزرگ آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری طرف سے ہاتھ جوڑ کر ناظم یونین کونسل، ضلعی ناظم فیاض چٹھہ، ہمارے ایم پی اے، ایم این اے اور وزیر اعلیٰ پنجاب چودھری پرویز الٰہی سے درخواست کریں کہ ملک کے گیارہ ارب ڈالر کے زرمبادلہ کے ذخائر میں سے چند سکے نکال کر ہمارے گاؤں میں بچوں اور بچیوں کا ایک پرائمری سکول کھول دیں جس کے لئے زمین اور عمارت فراہم کرنے کی میں آپ کے ایک گزشتہ کالم میں پیشکش کر چکا ہوں مگر کسی نے توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ گاؤں کے والدین چاہتے ہیں کہ ان کے بچے اور بچیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے اپنے گاؤں میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کریں۔ امید رکھتا ہوں کہ نواں پنڈ کے چودھری محمد صادق اور وہاں کے بچوں کے دیگر والدین کی یہ دست بستہ درخواست متعلقہ حکام اور رہنماؤں کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اندیشوں کے زہر کا تریاق امیدوں کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

قانون [illegible] کی زد میں [illegible] والے [illegible] بھی بے بس ہے۔ بہرکیف صرف 10 ماہ میں پوری رقم وصول لیکن سود ادا کرنے کے باوجود مالک مکان اپنے ہی مکان میں کرایہ دار بن جاتا ہے اور سود کے ساتھ ساتھ کرائے کا بوجھ بھی اس پر آن پڑتا ہے۔ یہاں ایک بات یاد آگئی کہ قیام پاکستان سے قبل صوبائی وزیر سر چھوٹو رام نے سود کیخلاف یہ قانون سازی کرائی کہ قرضے کے عوض زرعی زمین پر قبضہ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ سر چھوٹو رام نے کام بہت بڑا کیا اور لاکھوں چھوٹے مالکان زمین کو ہندو سود خوروں سے نجات دلادی۔

آج بھی ہمارے بڑے لوگ شاید اس مسئلے پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ عام آدمی کا مسئلہ ہے جو سود دینے والے مافیا کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔ ملک بھر میں اس مکروہ کاروبار سے منسلک تقریباً سبھی افراد ایک منظم گروہ کی طرح ہیں جنہوں نے اپنے غنڈے پال رکھے ہیں جو سود کی قسط میں تاخیر ہونے پر سود لینے والے بلکہ اس کے اہل خانہ تک کو تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔ گھر کا سامان اٹھالے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض مرتبہ تو پورے کنبے کو اپنے ڈیرے پر لے جاکر قید کر دیتے ہیں۔

اگرچہ سود پر لین دین کا کاروبار تمام دنیا میں سینکڑوں برس سے ہو رہا ہے مگر برصغیر پاک و ہند میں ہندو بنیے سود پر رقم دے کر لوگوں کو اپنا محتاج بنا لیتے تھے اور آہستہ آہستہ تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ پر قبضہ کر لیتے تھے حتیٰ کہ بیاج میں دی ہوئی رقم کے عوض نوجوان عورتیں بھی گروی رکھ لیتے تھے۔ انگریز دور میں جب نظام مملکت چلانے کیلئے

دھندے میں [illegible] بھی ہوتی ہے۔ بعض مجبور خواتین سود پر رقم لے کر اپنی عزتیں بھی دے چکی ہیں مگر اصل زر ادا ہونے کو نہیں آتا۔ یہ کاروبار کھلے عام ہو رہا ہے۔ غیر قانونی کاموں پر قدغن لگانے والے اداروں کے افراد اس کاروبار میں ملوث ہیں اور انہی کی شہ پر یہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سرکاری و غیر سرکاری ادارے، سیاسی جماعتیں، دینی جماعتیں سب کے اہم لوگ اس کاروبار سے باخبر ہیں مگر عملی طور پر اس کی سرکوبی کیلئے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا۔

متحدہ مجلس عمل نے قرآن و سنت کی بالادستی قائم کرنے کا جو بیڑا اٹھایا ہے، قابل ستائش ہے۔ پاکستان کے چار صوبوں میں سے ایک صوبے میں سو فیصد اور دوسرے میں پچاس فیصد ایم ایم اے کی حکمرانی ہے۔ اسے چاہئے اس حوالے سے بھی کام کرے جو کسی جہاد سے کم نہیں۔ اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے کمربستہ ہو۔ جس کا ارتکاب کرنے والی قوم خود کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیتی ہے۔ یہ برائی صرف اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے کہ جب معاشرے کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ اس کی سرکوبی کیلئے اٹھ کھڑا ہو اور نیک نیتی سے اس کے خلاف جہاد کرے۔ البتہ اگر حکومت بھی اس ضمن میں عملی اقدامات کرے تو کچھ بعید نہیں کہ یہ برائی برسوں کے بجائے مہینوں میں ختم ہو جائے۔

آپ لوگوں سے جو یہ سطریں پڑھ رہے ہیں التماس ہے کہ ایسے واقعات کے انسداد میں مجھے خبریں کی معرفت حقائق ارسال کریں تاکہ معاشرے کو اس اجتماعی ناسور سے پاک کیا جا سکے۔

☆☆☆